محض خشوع وخضوع نیک بندوں کی مخصوص علامت نہیں

قرآن وحدیث سے حیا کے مضمون کی تفاصیل کا بیان

(خطبہ جمعہ فرمودہ 23 اکتوبر 1998ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انورؒ نے درج ذیل آیاتِ کریمہ تلاوت کی:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۶﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

(البقرۃ:45 تا47)

پھر فرمایا:

ان آیات سے تعلق رکھنے والی احادیث کا بیان بھی گزر چکا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباسات بھی اکثر میں پڑھ چکا ہوں۔ جو چند اقتباسات باقی ہیں آج انہی سے خطبہ شروع ہوگا۔ اس میں پہلا حصّہ تو ایسا ہے جو پہلے بھی پڑھا جا چکا ہے مگر آخر پر جو مضمون بیان ہوا ہے وہ اس سے مختلف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''بہت سے ایسے فقیر میں نے بچشم خود دیکھے ہیں اور ایسا ہی بعض دوسرے لوگ بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ کسی دردناک شعر کے پڑھنے یا دردناک نظارہ دیکھنے یا دردناک قصّہ کے سننے سے اس جلدی سے ان کے آنسو گرنے شروع ہو جاتے ہیں جیسا کہ بعض بادل

اس قدر جلدی سے اپنے موٹے موٹے قطرے برساتے ہیں کہ باہر سونے والوں کو رات کے وقت فرصت نہیں دیتے کہ اپنا بستر بغیر تر ہونے کے اندر لے جاسکیں۔‘‘

یہ جو تشریح فرمائی ہے بہت ہی دلچسپ ہے اور راتوں کو باہر سونے والے، جیسا کہ ربوہ میں ہم گرمیوں میں باہر ہی سویا کرتے تھے، ان کو اس بات کا تجربہ ہے کہ بعض دفعہ بارش اتنا زور سے، اتنا اچانک برستی ہے کہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ اپنے بستر کے کپڑے سنبھال لے، سنبھالتے سنبھالتے وہ گیلے نہ ہو چکے ہوں تو اندر اکثر بھیگے ہوئے بستر ہی پہنچا کرتے تھے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بڑے غور سے دیکھتے اور موقع اور محل پر اس یاد کو استعمال فرمایا کرتے تھے چنانچہ اس موقع پر بھی آپؑ نے فقیروں کی آنکھوں سے گرنے والے قطروں کی بہت ہی پیاری مثال دی ہے یعنی ان کے قطرے تو پیارے نہیں ہیں جو گرتے ہیں مگر مثال بہت عمدہ ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ واقعۃً بعض لوگ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں آپؑ نے خود دیکھے ہیں کہ اچانک ان کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو گرنے شروع ہو جاتے ہیں۔ کہاں سے آئے، کب پیدا ہوئے کچھ سمجھ نہیں آتی۔ آگے جا کر فرماتے ہیں:

’’میں اپنی ذاتی شہادت سے گواہی دیتا ہوں کہ اکثر ایسے شخص میں نے بڑے مکّار بلکہ دُنیاداروں سے آگے بڑھے ہوئے پائے ہیں اور بعض کو میں نے ایسے خبیث طبع اور بد دیانت اور ہر پہلو سے بدمعاش پایا ہے کہ مجھے ان کی گریہ وزاری کی عادت اور خشوع وخضوع کی خصلت دیکھ کر اس بات سے کراہت آتی ہے کہ کسی مجلس میں ایسی رقّت اور سوز وگداز ظاہر کروں۔‘‘

یعنی سوز وگداز پیدا بھی ہو تو بمشکل ضبط کرتا ہوں اور ضبط کرنے کی کوشش کرتا ہوں کیونکہ ایسے بدبختوں کا نظارہ کیا ہوا ہے اور ان کی یاد حائل ہو جاتی ہے اس بات میں کہ میں بے اختیار اپنے دل سے اٹھنے والے سوز وگداز کو اجازت دوں کہ وہ آنکھوں سے برسے۔

’’ہاں کسی زمانہ میں خصوصیت کے ساتھ یہ نیک بندوں کی علامت تھی۔‘‘

اب تو بدوں سے دُنیا بھر گئی ہے کسی زمانہ میں نیک لوگ یہ کیا کرتے تھے اور ان پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

’’مگر اب تو اکثر یہ پیرایہ مکّاروں اور فریب دہ لوگوں کا ہو گیا ہے۔ سبز کپڑے، بال سر کے لمبے، ہاتھ میں تسبیح، آنکھوں سے دمبدم آنسو جاری۔‘‘

یہ نظارہ پاکستان کے فقیروں کو جس نے دیکھا ہو یا بنگلہ دیش کے فقیروں کو دیکھا ہو وہ گواہی دے گا کہ بعینہ یہی کیفیت ہوتی ہے لوگوں کی۔

’’لبوں میں کچھ حرکت گویا ہر وقت ذکر الٰہی زبان پر جاری ہے اور ساتھ اُس کے بدعت کی پابندی۔ یہ علامتیں اپنے فقر کی ظاہر کرتے ہیں مگر دل مجذوم، محبت الٰہی سے محروم۔‘‘

مجذوم وہ جسے کوڑھ ہوا ہو۔ محبت الٰہی کی علامتیں ظاہر کرتے ہیں مگر کوڑھی دل سے محبت الٰہی کیسے اٹھ سکتی ہے۔

’’دل مجذوم مگر محبت الٰہی سے محروم۔ الا ماشاء اللہ۔ راست باز لوگ میری اس تحریر سے مستثنیٰ ہیں۔ جن کی ہر ایک بات بطور جوش اور حال کے ہوتی ہے۔‘‘

وہ لوگ جو دل کے طبعی جوش سے بغیر کسی بناوٹ سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں فرمایا وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو:

’’بطور جوش اور حال کے ہوتی ہے نہ بطور تکلف اور قال کے۔‘‘

تکلّف کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ دکھاوا ہے بناوٹ ہے اور حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور قال سے مراد ہوتی ہے کہنا، صرف کہنے کی باتیں ہیں حقیقت کی باتیں نہیں ہیں۔

’’بہر حال یہ تو ثابت ہے کہ گریہ وزاری اور خشوع اور خضوع نیک بندوں کے لئے کوئی مخصوص علامت نہیں۔‘‘

یعنی ان باتوں کو دیکھنے کے بعد ایک بات تو قطعیت سے ثابت ہو جاتی ہے کہ محض خشوع وخضوع اور آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کو نیک بندوں کی علامت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

’’بلکہ یہ بھی انسان کے اندر ایک قوت ہے جو محل اور بے محل دونوں صورتوں میں حرکت کرتی ہے۔‘‘

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ: 195,194)

پس یہ قوت طبعیہ جس کے نتیجہ میں دل حرکت میں آتے ہیں اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں۔ یہ دونوں صورتوں میں ہمیں جلوہ گر دکھائی دیتی ہیں۔ بدوں کی صورتوں میں بھی اور نیکوں کی صورتوں میں بھی لیکن ان کی پہچان الگ الگ ہے اور سب سے زیادہ وہ شخص خود جانتا ہے جس کے دل سے ذکر الٰہی کے وقت محبت جوش مارتی ہے اور آنکھوں سے برستی ہے یا نہ بھی برسے تو زور اتنا مارتی ہے کہ گویا برس ہی جائے گی۔ تو اس پہلو سے اپنے دلوں کو ٹٹولتے رہنا چاہئے کہ کیا ہمارے دل واقعۃً ایسے ہی ہیں جن کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ گویا اللہ کی رضا کی نگاہیں ہر وقت ان پر پڑتی ہوں۔

ایک اور اقتباس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا میں نے ملفوظات جلد 5 صفحہ 59 سے لیا ہے یعنی جدید ایڈیشن میں یہ صفحہ درج ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''ابتدائے اسلام میں بھی جو کچھ ہوا وہ آنحضرت ﷺ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا جو کہ مکہ کی گلیوں میں خدا تعالیٰ کے آگے رو رو کر آپ نے مانگیں۔''

اب گلیوں میں رو رو کر مانگیں۔ ایک تو اس سے آپ ﷺ کی دردناک کیفیت کا اظہار ہوتا ہے، ایسی دردناک کیفیت کہ اسے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے کے تعلق میں نظر انداز کر ہی نہیں سکتا تھا۔ دوسرے گلیوں میں رونا تو بظاہر دکھاوے کی علامت ہوتی ہے مگر کچھ لوگ دکھاوے بھی کرتے ہیں اور کچھ بے اختیار ہو کے روتے ہیں۔ پس آنحضرت ﷺ کی یہ دوسری قسم کی مثال ہے کہ آپ ﷺ بے اختیار ہو کر روتے تھے اور اس کا نتیجہ کیا ہوا خدا تعالیٰ کے آگے رو رو کر دعائیں جو آپ ﷺ نے مانگیں۔

''جس قدر عظیم الشان فتوحات ہوئیں کہ تمام دُنیا کے رنگ ڈھنگ کو بدل دیا وہ سب آنحضرت ﷺ کی دعاؤں کا اثر تھا۔ ورنہ صحابہ کی قوت کا تو یہ حال تھا کہ جنگ بدر میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کے پاس صرف تین تلواریں تھیں اور وہ بھی لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔''

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ:59 / بدر جلد:2 نمبر:37 صفحہ:4 مؤرخہ 13 ستمبر 1906ء)

یہ کیفیت تھی ان کی کمزوری کی۔ تو جو کچھ بھی انقلاب برپا ہوا وہ صحابہؓ کی قوت سے نہیں بلکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں ہی سے ہوا۔ پس اس میں ایک سبق ہم سب کے لئے یہ ہے کہ جب بھی دل میں اسلام اور بنی نوع انسان کا درد اٹھے تو اس کے نتیجہ میں جو دعائیں پیدا ہوتی ہیں وہ بہت طاقتور ہوتی ہیں اور اگر درد نہ اٹھے یا بناوٹ سے اٹھے تو کوئی دعا بھی نہیں بنتی۔ اس کے نتیجہ میں کبھی دُنیا میں انقلاب برپا نہیں ہوا۔ تو جب تک بنی نوع انسان کے لئے گداختہ دل انسان پیدا نہ کرے، ایسا دل جس میں سچی ہمدردی ہو، کسی کا غم کسی دوسرے زمین کے کنارہ پر ہو اور اس کے دل کو ستائے اگر ایسا دل ہے تو ایسے دل سے اٹھنے والی دعائیں خواہ آنسو نہ بھی نکل رہے ہوں پھر بھی مقبول ہوتی ہیں۔ پس اس کیفیت کو مضبوطی سے پکڑ لیں، حرزِ جان بنالیں، اس سے کبھی الگ نہ ہوں کیونکہ ہم نے دُنیا میں بڑے بڑے انقلابات پیدا کرنے کا اعادہ کر رکھا ہے، ارادہ کر رکھا ہے اور اعادہ غلطی سے کہا مگر اصل میں اعادہ ہی کہنا چاہئے تھا کیونکہ پہلے انقلابات تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں برپا ہو گئے تو اب انہی انقلابات کے اعادہ کرنے کا ہم نے ارادہ کر رکھا ہے۔

ایک اور اقتباس آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 185 سے لیا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ''اللہ جَلّ شَانہ سے وہ لوگ ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت اور قدرت اور احسان اور حسن اور جمال پر علم کامل رکھتے ہیں۔ خشیت اور اسلام درحقیقت اپنے مفہوم کی رو سے ایک ہی چیز ہے کیونکہ کمال خشیت کا مفہوم اسلام کے مفہوم کو مستلزم ہے۔ پس اس آیت کریمہ کے معنوں کا مآل اور ماحصل یہی ہوا کہ اسلام کے حصول کا وسیلہ کاملہ یہی علم عظمت ذات وصفات باری ہے۔''

اب یہ عبارت عام لوگوں کے لئے جو اُردو اَور دین کا گہرا علم نہ رکھتے ہوں ان کے لئے سمجھنا مشکل ہے اس لئے خطبہ تو تمام احمدیوں کے لئے ہوتا ہے اس لئے میں اس کو ذرا تشریح سے سمجھانا چاہتا ہوں۔ ''اللہ جَلّ شَانہ'' جب ہم کہتے ہیں اللہ جَلّ شَانہ تو مراد ہے وہ اللہ جس کی شان بہت بلند ہے۔ ''اللہ جَلّ شَانہ سے وہ لوگ ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت اور قدرت۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت جو ساری کائنات پر اور اس سے پرے وسیع ہے اور ''قدرت'' یعنی جس کے اندر یہ طاقت ہے

ہر وقت اور ہر لمحہ کہ وہ اپنی قدرت کے کاروبار دکھا تا رہے اور قدرت کی رونمائی اس طرح کرتا رہے کہ ہمیں نہ بھی علم ہو تو ہم سے بے نیاز وہ اپنی قدرت کے جلوے دکھا رہا ہے۔ جتنی کائنات میں وسعت ہے اس کی طرف عظمت نے اشارہ فرمادیا یعنی عظیم کائنات ہے یا اس کی مخلوقات عظیم ہیں اور ان سب میں اس کی قدرت کی جلوہ نمائی ہے خواہ ہمیں اس جلوہ نمائی کا علم ہو یا نہ ہو۔ ''اور احسان اور حسن'' دو باتیں اس کائنات پر نظر ڈالنے سے یقینی طور پر علم میں آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو بھی قدرت نمائی اس نے فرمائی ہے، جو بھی تخلیق کی ہے اس میں احسان سے کام لیا ہے۔ ''احسان'' کسی غریب پر، کسی بے بس پر رحم کرنے کے نتیجہ میں جو سلوک آپ اس سے کرتے ہیں اس کو کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی کیا ہم سب کے لئے وہ بطور احسان کے کیا ہے نہ کہ ہمارا اُس پر حق تھا اور یہ احسان کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں دکھائی دیتا ہے۔ اس مادہ میں بھی دکھائی دیتا ہے جس مادہ میں ہم سمجھتے ہیں کہ احساس کی طاقت نہیں ہے۔ وہ نہیں سمجھتا کہ میں کیسے اس احسان کا شکریہ ادا کروں مگر قرآن کریم کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مادہ میں بھی ایک احساس کا مادہ ضرور ہے۔ وہ ایسا مادہ ہے جسے ہم سمجھ نہیں سکتے مگر اللہ تعالیٰ سمجھتا ہے اور کوئی احسان بھی اس کا ایسا نہیں کہ جس پر ہو اس کو اس کا احساس نہ ہو۔ یہ بھی ایک عجیب قدرت نمائی ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق احسان اور حسن، احسان تو ہے اُس مادہ پر، اُس شخص پر، اُس ذات پر جس کو اُس نے عظیم قدرت سے پیدا فرمایا اور اُس احسان کو دیکھنے کے لئے ہمیں اُس میں ایک حسن بھی دکھائی دیتا ہے۔ پس وہ جو صرف دیکھ رہے ہیں، دوسروں کو دیکھ رہے ہیں وہ غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی ہر صنعت میں ایک حسن ہے اور وہ حسن نظروں کو چندھیا دینے والا حسن ہے اور جمال بھی ہے، حسن اور جمال۔

حسن دراصل فطرت کے اندر جو گوندھی ہوئی خصلتوں کی خوبصورتی ہے زیادہ تر اس کو حسن کہتے ہیں لیکن حسن ظاہر میں بھی، نقوش میں بھی دکھائی دیتا ہے مگر اگر زیادہ احتیاط سے لفظ بولے جائیں تو جو ظاہری خوبصورتی رکھتا ہے اس کو جمال کہتے ہیں۔ تو جب آپ کسی شخص کی تعریف کریں کہ اُس کے حسن و جمال سے ہم بہت متاثر ہیں تو مراد یہ ہے کہ صرف ظاہری دکھائی دینے والے حسن سے نہیں بلکہ اُس کی فطرت کے حسن سے، اُس کی عادات کے حسن سے، اُس کی بول چال سے، اُس کے ذہن اور دل کی قوتوں سے۔ ان سب پر لفظ حسن چھایا ہوا ہے، ان سب سے ہم متاثر ہیں جب ہم یہ کہنا

چاہیں تو کہیں گے اس کے حُسن سے ہم متاثر ہیں۔ اور اس کے ساتھ جب جمال کا لفظ بولتے ہیں تو ظاہری حسن جو اُس میں ہوتا ہے اُس کے لئے جمال کا لفظ استعمال کر کے اسے حسن سے زرا الگ کر دیتے ہیں کہ ظاہر میں بھی خوبصورت، باطن میں بھی خوبصورت، اس کا اندر باہر خوبصورت ہے، اس کا ظاہر بھی، اس کا چھپا ہوا بھی سب خوبصورت ہے۔ تو فرمایا: ''اور احسان اور حسن و جمال پر علم کامل رکھتے ہیں۔'' علم کامل کون رکھتے ہیں جو ڈرتے ہیں اور جو ڈرتے ہیں وہ تب ہی ڈرتے ہیں کہ علم کامل رکھتے ہیں ورنہ علم کامل نہ ہونے کے نتیجہ میں خوف بھی کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ جتنا علم ناقص ہوا اتنا خوف کم ہوتا جاتا ہے۔ اب آپ دیکھ لیں کسی چیز کے گزند سے آپ پوری طرح واقف نہ ہوں، یہ پتا ہو کہ یہ کھانے میں ذرا بدمزہ ہے لیکن یہ علم نہ ہو کہ یہ بدمزہ زہر ہے جو آپ کو ہلاک بھی کر سکتا ہے تو بعض دفعہ یونہی چکھنے کے لئے آپ منہ مار بھی دیتے ہیں۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خشیت کا تعلق، اس کے ساتھ خوف کا تعلق علم کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پکڑ کے اتنے رستے ہیں، ایسے ایسے رستوں سے وہ آتا ہے اور گھیر لیتا ہے کہ انسان کا تصور بھی ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ تو وہ خدا کے کامل بندے جن کو علم ہو کہ اللہ کی شان کیا ہے، جو اس کی قدر پہچانتے ہوں اور اس کی قدر پہچاننے کے لئے قرآن کریم نے اتنا کثرت سے اس مضمون کو کھول کھول کر بیان فرما دیا ہے کہ کوئی بھی عذر انسان کے پاس باقی نہیں رہا۔ تو فرماتے ہیں: ''اور حسن و جمال پر علمِ کامل رکھتے ہیں۔'' کامل کا لفظ جو فرمایا ہے یہ اس لئے فرمایا ہے کیونکہ ان ڈرنے والوں کا ذکر ہے جو کامل ڈرنے والے ہیں۔ جب ڈرنے والے کامل ہوں تو حسن و جمال بھی کامل ہونا چاہئے۔ اگر ڈرنے والے ناقص ہوں تو حسن و جمال کا علم بھی ناقص ہوگا۔ یہ لازم ملزوم ہیں۔ ''خشیت اور اسلام درحقیقت اپنے مفہوم کی رو سے ایک ہی چیز ہے کیونکہ کمال خشیت کا مفہوم اسلام کے مفہوم کو مستلزم ہے۔'' جو لازم ملزوم کا میں نے محاورہ بولا تھا یہی وہ لفظ ہے مستلزم جو اس کو ظاہر فرما رہا ہے۔

اسلام بھی خشیت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اسلام ہی علم کامل کا دوسرا نام ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام علم کامل کا دوسرا نام کیسے ہو گیا یہ مفہوم غور کرنے اور سمجھنے کے لائق ہے۔ اسلام کا عام معنی تو یہی ہے کہ ہم نے تسلیم کر لیا، اس کے سامنے اپنا سر خم کر دیا اور اسلام کا دوسرا معنی یہ ہے کہ کسی کو سلامتی کا پیغام دیا کہ ہماری طرف سے تمہیں سلامتی پہنچے گی اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کی رضا سے راضی

ہو جانے کا تعلق ہے اسلام کا یہ مفہوم بالکل ظاہر و باہر ہے اور اللہ کو ہم سے سلامتی کیسے پہنچ سکتی ہے، وہ تو خود سلام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری طرف سے اللہ کو ہمیشہ سلامتی کی خبر پہنچے گی۔ ہم اس کی خاطر جب دُنیا کے لئے سلامتی کے ضامن ہو جائیں گے تو اللہ کے حضور اسلام اسی کی دوسری صورت ہے اور دُنیا کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سلامتی کا پیغام پہنچا ہی نہیں سکتے جب تک کہ اس کے سلام ہونے پر غور نہ کریں اور یہی معنی ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہاں بیان فرمانا چاہتے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اللہ چونکہ سلام ہے اس لئے اس سلام کے حضور اپنی تسلیم کی گردن خم کرنے کا نام اسلام بھی ہے اور خشیت بھی کیونکہ اللہ کی سلامتی کا تصور جب آپ کرتے ہیں کن معنوں میں وہ سلام ہے تو اس میں وہ تمام خوبیاں پیش نظر رکھنی پڑتی ہیں جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچ سکے اور جہاں جہاں ضرر پہنچ سکے گا وہاں ظاہر ہے کہ انسان کے لئے خوف کا مقام ہوگا۔ تو اللہ اگر کسی کو ضرر پہنچائے گا باوجود سلام ہونے کے تو لازماً اس کے اندر کوئی کمزوری اور کوئی خرابی پائی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں مجسّم سلام ہونے کے باوجود وہ اسے کوئی ضرر پہنچاتا ہے۔

یہ اگر چہ باریک اور پیچ دار مضمون دکھائی دیتا ہے مگر ہے بالکل درست اور اسی طرح۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ ظاہر فرمانا چاہتے ہیں کہ جب تم اللہ کو سلام جانتے ہوئے، اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے پھر بھی دیکھتے ہو کہ اس کی طرف سے بعض چیزوں کو ضرر پہنچتا ہے تو اتنا ہی زیادہ خوف کا مقام پیدا ہو جاتا ہے یعنی سلام سمجھنے کے نتیجہ میں بے خوفی آتی ہے اور جہاں جہاں وہ سلام نہ پہنچ رہا ہو اس کے نتیجہ میں ایک خوف پیدا ہونا چاہئے کہ خدا نہ کرے ہم بھی تو ایسے نہیں کہ جنہیں خدا اپنے سلام سے محروم کر دے۔ یہ مضمون جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اگر چہ پیچدار ہے مگر بالکل واضح اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے عارف باللہ پر تو یہ ایک ہی مضمون کے دو نام ہیں۔ فرمایا: ''کمال خشیت کا مفہوم اسلام کے مفہوم کو مستلزم ہے۔ پس اس آیت کریمہ کے معنوں کا مآل اور ماحصل یہی ہوا کہ اسلام کے حصول کا وسیلہ کاملہ یہی علمِ عظمتِ ذات وصفاتِ باری ہے۔''

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام بہت لوگوں نے پڑھی ہوگی کبھی ایک دفعہ کبھی دو کبھی تین دفعہ۔ مگر یہ نمونہ میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے اس سے آپ

اندازہ کرلیں کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاں کمالاتِ اسلام کی بات کرتے ہیں اس کے لئے آئینہ دکھاتے ہیں تو ان کمالات کو سمجھنے کے لئے انسان کو کچھ نہ کچھ صاحبِ کمال بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جتنا وہ صاحبِ کمال بننے میں کوتاہی کرے گا اتنا ہی اس آئینہ میں کم جلوہ دیکھے گا۔ آئینہ تو گندہ نہیں ہے مگر نظر دھندلائی ہوئی ہے۔ پس بعض دفعہ تو آئینہ دیکھنے میں اس لئے شکل خراب آتی ہے کہ آئینہ دھندلایا ہوا ہوتا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو آئینہ دکھایا ہے کمالاتِ اسلام کا اس میں کوئی بھی کسی قسم کا عیب نہیں، کوئی دھندلاہٹ نہیں مگر دیکھنے والے نظریں مختلف رکھتے ہیں۔ بعض لوگ بے چارے جو کسی آنکھ کی بیماری کا شکار ہوں بعض دفعہ بالکل آئینہ قریب کر کے دیکھتے ہیں اور بمشکل ان کو دکھائی دیتا ہے کہ نقص کیا ہیں یا جمال ہے تو کیا ہے۔ تو آپ کو بھی آئینہ کمالاتِ اسلام کا مطالعہ کرتے وقت اسی طرح گہرائی سے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اب یہ آخری اقتباس جو میں نے اس مضمون میں چنا ہے وہ ملفوظات جلد اوّل جدید ایڈیشن سے لیا گیا ہے۔

’’آنسو کا ایک قطرہ بھی دوزخ کو حرام کر دیتا ہے۔‘‘

اب اس سے پہلے آپ نے ان موٹے موٹے قطروں کی باتیں سنی ہیں جو ہر وقت موسلا دھار بارش کی طرح برس رہے ہوتے ہیں اور ایک قطرہ وہ بھی ہے جو اکیلا ہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ اس قطرہ ٹپکانے والے پر جہنم حرام ہو جائے۔ وہ کیا قطرہ ہے، کیسی صورت میں وہ قطرہ گرتا ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’ہاں اگر اللہ کی عظمت و جبروت اور اس کی خشیت کا غلبہ دل پر ہو۔ (اور یہ ساری پہلی باتیں اسی تعلق میں بیان ہو چکی ہیں یہ غلبہ کیسے ہوتا ہے) اس کی خشیت کا غلبہ دل پر ہو اور اس میں ایک رقّت اور گدازش پیدا ہو کر خدا کے لئے ایک قطرہ بھی آنکھ سے نکلے تو وہ یقیناً دوزخ حرام کر دیتا ہے۔ پس انسان اس سے دھوکا نہ کھائے کہ میں بہت روتا ہوں۔ اس کا فائدہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ آنکھ دکھنے آجائے گی اور یوں امراضِ چشم میں مبتلا ہو جائے گا۔‘‘

اب یہ دو باتیں بظاہر تضاد رکھتی ہیں ایک جگہ فرمایا کہ ایک قطرہ بھی جہنم کو حرام کرنے کے لئے کافی ہے اور ساتھ ہی فرمایا: ''پس انسان اس سے دھوکا نہ کھائے کہ میں بہت روتا ہوں۔'' فرمایا جس قطرہ کی میں بات کر رہا ہوں وہ محض آنکھ سے گرنے والا آنسوؤں کا قطرہ نہیں اس کی کچھ اور صفات ہیں جو دل سے تعلق رکھتی ہیں اور کیوں اٹھا دل سے؟ اس مضمون کو سمجھنے کی ضرورت ہے ورنہ آنسوؤں سے گرنے والے قطروں کی تو بہت باتیں ہو چکی ہیں۔ وہ آنسوؤں سے گرنے والے قطرے جہنم سے نجات دینے کے لئے کافی نہیں ہیں حالانکہ ان میں بہت سے آنسو ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو تکلّف کے بغیر دل سے اٹھے ہوئے ہوں۔ ان آنسوؤں میں اور اس آنسو کے قطرے میں کیا فرق ہے؟ وہ فرق یہ ہے:

''اس کی خشیت کا غلبہ دل پر ہو اور اس میں ایک رقّت اور گدازش پیدا ہو کر خدا کے لئے ایک قطرہ بھی آنکھ سے نکلے۔'' جب خشیت کا غلبہ دل میں ہو تو اس سے مراد دائمی غلبہ ہے۔ ایک ایسا وقت آجائے کہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی خشیت دل پر غالب آچکی ہو اور جب ایک دفعہ وہ خشیت غالب آجائے تو پھر اس کی واپسی ممکن نہیں ہوا کرتی اور ایسی زندگی انسان کو خود بتاتی ہے کہ اس میں بعض اوقات ایک قطرہ وہ تبدیلی پیدا کر دیتا ہے جو اس کے دل سے اٹھنے والی موسلا دھار بارشیں نہ کر سکیں۔ تو اس قطرہ کی تلاش رکھنی چاہئے جو ایسی خشیت کے نتیجہ میں ہو جو آ کر ٹھہر جایا کرتی ہے۔ پھر دل کا یہ موسم بدلا نہیں کرتا کیونکہ اللہ کا خوف اس کی عظمت کو پہچاننے کے نتیجے میں دل پر طاری ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں اگر ایسا نہیں کرو گے تو روتے روتے آنکھیں دکھا لو گے اس سے زیادہ تو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کے حضور اس کی خشیت سے متاثر ہو کر رونا دوزخ کو حرام کر دیتا ہے لیکن یہ گریہ و بکا نصیب نہیں ہوتا جب تک کہ خدا کو خدا اور اُس کے رسول کو رسول نہ سمجھے اور اس کی سچی کتاب پر اطلاع نہ ہو۔''

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ: 272، 273/الحکم جلد 5 نمبر 10 صفحہ: 2 مؤرخہ 17 مارچ 1901ء)

تو یہ جو ساری باتیں ہیں آخری فقرہ کی وہ میں پہلے خطبات میں بیان کر چکا ہوں اس لئے اس آیت کریمہ سے متعلق جو میں نے آپ کو نصیحتیں کرنی تھیں وہ اس آخری فقرہ پر مکمل کرتا ہوں۔

اب یہ دوسری آیت کریمہ ہے جس کا حیا سے تعلق ہے۔ اس مضمون کو بھی تفصیل سے سمجھانے کی ضرورت ہے کہ حیا کیا ہوتی ہے؟ اور کبھی اللہ حیا کرتا ہے یعنی اللہ بھی حیا کرتا ہے اور کبھی اللہ حیا نہیں کرتا۔ کبھی رسول بھی حیا کرتا ہے اور کبھی رسول حیا نہیں کرتا۔ تو حیا کے کون سے مواقع ہیں اور حیا نہ کرنے کے کون سے مواقع ہیں۔ اس ضمن میں جو حیا والی آیت اس وقت میرے سامنے ہے وہ میں پڑھوں گا تو سہی مگر اس کی تفصیل سے تشریح کی ضرورت نہیں کیونکہ اس آیت کریمہ سے متعلق میں نے اپنی کتاب Revelation میں بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ایک پورا لمبا Chapter، ایک باب اس پر وقف ہے۔ پس وہ لوگ جن کو انگریزی آتی ہے وہ وہاں سے اس کا مطالعہ کر لیں۔ تو اس آیت کے معنی کہ خدا کیوں نہیں شرماتا، جبکہ دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ کے شرمانے کا بکثرت ذکر ملتا ہے۔ تو انسان کو بھی وہاں نہیں شرمانا چاہئے جہاں خدا کی شان ہے کہ نہیں شرمانا اور جہاں شرمانے کا حق ہے وہاں ضرور شرمانا چاہئے۔ یہ شرمانے کا مضمون کہاں آپ پر لازم ہے اور کہاں لازم ہے کہ نہ شرمائیں۔ یہ آئندہ ایک دو خطبات کا موضوع ہوگا۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَا ذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۔ (البقرۃ:27)

یقیناً اللہ نہیں شرماتا کہ ایک مچھر کی مثال بیان فرمائے فَمَا فَوْقَهَا اور اس کی جو اس پر ہے۔ فَوْقَهَا کا ایک معنی تو اکثر آپ تراجم میں پڑھتے ہوں گے یہ وہ معنی ہیں جو اس آیت کی گہرائی میں اترنے کے لئے سمجھنے ضروری ہیں ورنہ اس کے فوق پہ ہی رہیں گے اور اس کے اندر نہیں اتر سکیں گے۔ مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا مچھر کے اوپر کیا ہے؟ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ مچھر کے علاوہ اس سے کم تر مثال۔ حالانکہ فَوْقَهَا کا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں نے مختلف اہل لغت جو بڑے ائمہ لغت ہیں ان کا مطالعہ کر کے دیکھا ہے حضرت امام راغب اس مضمون پر خوب کھل کے روشنی ڈالتے ہیں کہ فَوْقَهَا کا معنی ہے جو اس پر چڑھا ہوا ہے، اور زمین کی مثال، پہاڑوں کی مثالیں یہ ساری مثالیں دے کر واضح فرماتے ہیں کہ فَوْقَهَا کا اصل مطلب یہ ہے کہ جو مچھر پر ہے۔

(مفردات الفاظ القرآن از العلامة الراغب الأصفهانی، زیر لفظ فوق)

اور مچھر پر کیا ہوتا ہے۔ مچھر پر اس بیماری کے جراثیم چڑھے ہوئے ہوتے ہیں جو دُنیا میں سب سے زیادہ مہلک بیماری ہے۔ دُنیا میں جتنی اموات ہوتی ہیں براہ راست یا بالواسطہ اس بیماری سے تعلق رکھتی ہیں یعنی ان کی بھاری اکثریت نہ کبھی جنگوں سے ایسی تباہی آئی نہ کسی وبا سے اتنی مَوتا مَوتی ہوئی جتنا ملیریا کے نتیجہ میں ہوتی ہے۔ ملیریا سے براہ راست مرنے والوں کی تعداد بھی کروڑ ہا تک پہنچ جاتی ہے اور ملیریا جو اثرات پیچھے چھوڑ جاتا ہے اس سے بھی کروڑ ہا اموات ہوتی رہتی ہیں اور بیماریاں لگی رہتی ہیں۔ اب سندھ کے علاقہ میں لوگ جانتے ہیں کہ ان کو پھیپھڑوں کی بیماریاں لگ جاتی ہیں، گنٹھیا ہو جاتا ہے، سِل ہو جاتی ہے اور یا نمونیہ سے مر جاتے ہیں۔ یہ ساری خرابی دراصل مچھر نے کی ہوئی ہے۔ مچھر نے کاٹ کاٹ کے ان کو ایسا بخار چڑھایا جس میں انسان چادر اوڑھ لیتا ہے اور جب بخار ٹوٹتا ہے تو انسان چادر اتار دیتا ہے اور اس قدر سردی ماحول میں ہوتی ہے کہ وہ اس فرق کی وجہ سے بڑا سخت بیمار ہو جاتا ہے۔

تو یہ تو بہر حال تفصیلی بحثیں ہیں ان میں مَیں اب یہاں نہیں جانا چاہتا مگر میں سمجھا رہا ہوں کہ جن علاقوں میں ملیریا ہے وہ جانتے ہیں کہ مچھر کی کیسی بڑی تباہی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس سے شرماتا نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مچھر پیدا کرنے میں کچھ گہرے راز ہیں۔ ان بیماریوں کے نتیجہ میں انسانی ارتقاء میں مدد ملی ہے اور انہی بیماریوں کے نتیجہ میں جو مچھر نے پھیلائی ہیں جانوروں میں بھی آغاز سے بہت زیادہ ارتقاء کی طرف قدم اٹھا ہے اور انسان کے اندر جو مدافعاتی نظام ہے وہ سارا مچھر کی بیماری کے نتیجہ میں مقابلہ کی کوشش میں پیدا ہوا ہے۔ اب یہ مضمون ایسا ہے جو ایک علم کا جہان اپنے اندر رکھتا ہے اور اسی طرف اصل میں اشارہ ہے۔ اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ میں بیماریاں پیدا کرنے سے نہیں شرماتا۔ فرمایا تم جس کو سمجھتے ہو کہ قابل شرم بات ہے تم سوچتے نہیں کہ وہ قابل شرم بات نہیں وہ قابل افتخار بات ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو تم آج اتنی ترقی نہ کر سکتے اور اس ترقی میں اس چھوٹے سے کیڑے نے دخل دیا ہے اور اس چیز نے فَمَا فَوْقَهَا جس کو یہ اٹھائے پھرتا ہے۔ تو یہ بہت ہی گہرا اور دلچسپ مضمون ہے اور یہاں سے حیا کرنا اور حیا نہ کرنا ہم پر واضح ہو جاتا ہے۔ اگر حیا کریں تو بظاہر لوگ سمجھیں کہ حیا کرنے میں ہماری سبکی ہے لیکن اگر آخری صورت میں ہماری حیا کا مقصد اصلاح ہے اور وہ اصلاح بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچاتی ہے تو اپنی حیا سے شرمانا نہیں چاہئے۔

اس آیت کا مفہوم پھر یہی بنے گا کہ اللہ اپنی حیا سے نہیں شرماتا کیونکہ وہ حیا فائدہ مند ہے۔ اس حیا کے نتیجہ میں تمہارے لامتناہی فوائد منسلک ہیں، اس سے وابستہ ہو چکے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ لوگ جنہوں نے انکار کر دیا کہتے ہیں یا کہیں گے مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا: کہ اللہ نے اس مثل سے کیا ارادہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کیسی فضول سی مثال ہے مچھر سے نہیں شرماتا۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا: وہ اس مثال کے ذریعہ بہتوں کو گمراہ بھی ٹھہرا دیتا ہے یا گمراہ کر دیتا ہے اور بہتوں کی ہدایت کا موجب بھی بنتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ہے، کفار نہیں کہہ رہے۔ کفّار تو کہتے ہیں مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا: خدا نے یہ کیسی فضول سی مثال دے دی ہے۔ اللہ فرماتا ہے یہ مثال فضول نہیں اسی مثال کے نتیجہ میں بہت سے ایسے ہیں جو گمراہ ہو جائیں گے اور صرف نقصانات اٹھائیں گے جیسے ملیریا بعضوں کو تو مار کے ہی چلا جاتا ہے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا اور بعض ایسے ہیں جن کو فائدہ پہنچتا ہے۔ تو فرمایا اسی مثال پر غور کرنے کے نتیجہ میں بہت سے لوگ ہیں جو اللہ کی عظمتوں کے مزید قائل ہوتے چلے جائیں گے اور کثرت سے ایسے اللہ کے بندے ہیں جن کے لئے یہ مثال اس پہلو سے فائدہ مند ہوگی۔ اور يُضِلُّ بِهٖ کے متعلق جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے وہ لوگ مراد ہیں جو اس کے ظواہر کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں نہایت فضول، بے معنی مثال ہے جس کے نتیجہ میں وہ اور بھی زیادہ گمراہ ہو جاتے ہیں لیکن وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ اس سے اللہ تعالیٰ سوائے فاسقوں کے، سوائے بدکرداروں کے اور نافرمانوں کے کسی کو گمراہی میں نہیں بڑھاتا۔

تو یہ آیت کریمہ ہے جس کا مضمون اب احادیث نبویہ کے حوالہ سے میں شروع کرتا ہوں۔ یہی کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل میں بھی دکھائی دیتی ہے کہیں شرماتے ہیں، کہیں نہیں شرماتے۔ کہیں اتنا شرماتے ہیں کہ دیکھنے والے کہتے ہیں کنواری عورت سے بھی زیادہ شرم ہے۔ کہیں ایسی باتیں کہتے ہیں کہ جس سے عام لوگ شرما جائیں مگر آپ قطعاً نہیں شرماتے۔ تو یہ مضمون کیا ہے جب تک ہم سمجھیں گے نہیں ہمیں علم نہیں ہو سکے گا کہ ہمیں کہاں شرمانا چاہئے اور کہاں نہیں شرمانا چاہئے۔ پہلی حدیث سنن ابن ماجه كِتَابُ الدُّعَاءِ بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ سے لی گئی ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’تمہارا ربّ بہت ہی باحیا اور کریم ہے۔ جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے تو اسے اس بات سے شرم آتی ہے کہ وہ ان ہاتھوں کو خالی لوٹا دے۔‘‘

(سنن ابن ماجه کتاب الدعاء باب رفع یدین فی الدعاء، حدیث نمبر: 3865)

اب حیا کا یہ مضمون بھی ہے اللہ کا۔ ورنہ اللہ تو انسانی صفات سے بہت بالا ہے تو جس طرح بعض دفعہ کسی التجاء کرنے والے کے ہاتھ کو دھتکارتے ہوئے، خالی لوٹاتے ہوئے انسان شرماتا ہے۔ بعض کیفیات ایسی ہوتی ہیں کہ وہ واپس لوٹا ہی نہیں سکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے سلوک فرماتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر بندہ مراد نہیں بلکہ وہ بندے مراد ہیں جو خود بھی حیادار ہوں اور یہ مضمون اس میں داخل ہے اس کو سمجھے بغیر آپ اس مضمون کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اگر آپ ہاتھ اٹھائیں اور ہر دفعہ ہاتھ اٹھانے پہ دعا قبول ہو جائے تو آپ نے اخباروں میں مولویوں کی تصویریں نہیں دیکھیں کس طرح ہاتھ اُٹھا اُٹھا کے دکھاتے ہیں اور تصویریں کھنچواتے ہیں اور ایک ذرّہ بھی اُن کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ساری دعائیں ردّ ہو جاتی ہیں۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ کوئی شخص بہت تکلیف کی حالت میں تھا، اس نے مجھے کہا کہ میرے لئے دعا کریں کہ میں مر جاؤں۔ تو میں نے کہا تمہارے لئے یہ دعا ہو ہی نہیں سکتی، ناممکن ہے کیونکہ مجھ سے اگر یہ توقع ہو کہ میں کسی احمدی کے لئے دعا کروں کہ مر جائے تو یہ محض جھوٹ ہے۔ یہ توقع تمہاری کبھی پوری نہیں ہوگی اور مولوی جو بددعائیں تم پر کریں گے وہ تمہیں ماں کے دودھ سے زیادہ لگیں گی تو ان کی بددعائیں بھی تمہارے کام نہیں آسکتیں، وہ دعا بن کر لگیں گی پھر۔ یہ جو ہاتھ اٹھاتے ہیں اور آپ ان کے چہرے دیکھتے ہیں جب بھی احمدیت کے خلاف بددعا کرتے ہیں ان کی قبول نہیں ہوتیں۔ اس لئے اس بات سے نہ ڈریں کہ اللہ تعالیٰ شرماتا ہے اٹھے ہوئے ہاتھوں سے کہ انہیں خالی لوٹا دے۔ جن کے دل خالی ہوں، حیا سے خالی ہوں ان کے ہاتھ خدا ضرور لوٹاتا ہے۔ اسی طرح خالی ہاتھ لوٹا دیا کرتا ہے۔ تو اس مفہوم کو سمجھنا چاہئے۔ جن کے دلوں میں حیا ہو وہ دوسروں کے ہاتھ خالی لوٹانا نہیں چاہتے، اللہ ان کے ہاتھ کیسے لوٹا دے گا۔ پس اگر چہ یہ مضمون کھلے لفظوں میں ظاہر نہیں فرمایا گیا مگر لازماً اس میں داخل ہے۔ اللہ ان کے خالی ہاتھ لوٹانے سے شرماتا ہے جو اس کے بندوں کے خالی ہاتھ لوٹانے سے شرماتے ہیں اور جتنا وہ شرماتے ہیں اسی نسبت سے اللہ ان سے شرماتا ہے۔ دوسرا لفظ شرمانے کے علاوہ راوی

نے احتیاطاً یہ بیان کیا ہے کہ شاید یہ کہا ہو کہ نامراد ٹھہرا دے۔ تو شرماتا ہے کہ نامراد ٹھہرا دے یا شرماتا ہے کہ خالی ہاتھ لوٹا دے ایک ہی چیز ہے۔ ایک اور حدیث قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنواری عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ (ایک کنواری جس طرح حیا کرتی ہے اس طرح آپ حیادار تھے) جب آپ کسی چیز کو ناپسند کرتے تو اس کا اثر ہم آپ کے چہرہ مبارک سے محسوس کرتے۔''

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ، حدیث نمبر: 3562)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ کو دیکھ کر پتا چل جاتا تھا کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند نہیں آئی۔ بالعموم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا اظہار زبان سے نہ فرماتے۔ یہ لفظ ترجمہ کرنے والے نے اپنی طرف سے بڑھا دئے ہیں۔ صرف راوی نے یہ بیان کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو ہم ہمیشہ چہرہ سے اندازہ کیا کرتے تھے کہ ناپسند کیا ہوگا۔ یہ حدیث ایک طرف اور دوسری طرف وہ احادیث جہاں کسی چیز کو ناپسند کیا تو اس قدر جوش سے اس کے خلاف تقریر فرمائی ہے کہ بعض دفعہ صحابہؓ یہ دعا کرتے تھے کہ کاش اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو جائیں اور اتنا زیادہ اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالیں کہ اس مکروہ بات کے خلاف کہتے چلے جا رہے ہیں۔ تو اب یہ دو باتیں سمجھنے کے لائق ہیں۔ اگر آپ نہیں سمجھیں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کی طرف گویا تضاد منسوب کریں گے جو ناممکن ہے۔ نہ خدا کے قول میں تضاد ہے نہ خدا کی تخلیق کامل یعنی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں کسی قسم کا تضاد ہے۔

اب میں باقی احادیث کی روشنی میں اس مضمون کو آپ کے سامنے کھولتا ہوں۔ اب ایک طرف تو حیا کا یہ عالم کہ منہ سے بولتے ہی نہیں اور صرف چہرہ بتاتا ہے، دوسری طرف عورتیں اپنی ذاتی باتیں کر رہی ہیں جن کا ان کے حیض وغیرہ سے تعلق ہے اور ایسی باتیں ہیں جو آپ کسی مجلس میں بیان کریں تو کچھ شرم محسوس کریں گے مگر اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف یہ کہ شرماتا نہیں بلکہ ان خواتین کی تعریف فرما رہا ہے کہ انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی کہ دوسرے سن رہے ہیں اور تعریف اس لئے کہ دوسرے نہ سنتے تو ان کی تعلیم و تربیت نہ ہوتی۔ تو ایسی باتیں جو بظاہر شرمانے والی ہیں ان سے ایک

عورت ہے جو شرما نہیں رہی اور کھل کر باتیں کرتی ہے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہ کیسی عمدہ عورت ہے اس نے ان باتوں کو کھول کر بیان کیا کیونکہ اگر وہ تنہائی میں چھپ کر کرتی تو پھر یہ خطرہ تھا کہ باقی لوگوں کی تربیت اس معاملہ میں نہ ہوسکتی۔ یہ حدیث یہ ہے، ایک لمبی حدیث سے ایک ٹکڑا لیا گیا ہے، ایک انصاری خاتون کے متعلق ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے میاں بیوی کے تعلقات کے بعد نہانے کے متعلق سوال کئے۔ اس روایت کے آخر پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا وہ فرماتی ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے انصاری خواتین کی تعریف فرمائی۔ یہ انصاری خواتین کتنی اچھی ہیں۔ (فرمایا:) انصار کی عورتیں کتنی اچھی ہیں انہیں حیا دین سیکھنے سے نہیں روکتی۔''

(سنن أبی داؤد، کتاب الطهارة، باب الاغتسال من المحیض، حدیث نمبر: 316)

اور حیا اچھی بھی ہے اور بُری بھی ہے۔ حیا اگر دین سیکھنے کے بارے میں آئے تو یہ حیا نہیں، بے حیائی ہے اور دین سکھانے کے متعلق آئے تو یہ بھی حیا نہیں بے حیائی ہے۔ تو یہ دونوں سبق اسی حدیث سے مل گئے کہ بعض موقع پر رسول اللہ ﷺ کنواری سے بڑھ کر حیادار اور بعض موقع پر جہاں اعلیٰ مقصد پیش نظر ہو بے حد کھل کر بات کرنے والے۔ جہاں عام آدمی اپنے مزاج کی کمزوری کی وجہ سے شرما جاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نہیں شرماتے۔ ترمذی باب النکاح سے یہ حدیث لی گئی ہے اور مسند احمد بن حنبل میں بھی یہی حدیث ہے۔ حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''چار باتیں انبیاء کی سنت میں سے ہیں۔''

سُنَنِ الْمُرْسَلِینَ یعنی پیغمبروں کی سنت میں سے ہیں۔ یہاں انبیاء کا لفظ ترجمہ میں غلط ہو گیا ہے۔ میں نے اس لئے دوبارہ دیکھا ہے کیونکہ یہاں جس پیغام کے ساتھ آتے ہیں اس پیغام کا ذکر ہونے کے لحاظ سے مُرسَلِین ہونا چاہئے تھا اور لفظ مُرسَلِین ہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

''مُرسَلِین کی سنت میں سے ہے: التَّعَطُّرُ، وَالنِّكَاحُ، وَالسِّوَاكُ، وَالْحَيَاءُ۔''

(مسند احمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابة، مسند أبی أیوب الأنصاری، مسند نمبر: 23581 / جامع الترمذی، ابواب النکاح، باب ما جاء فی فضل التزویج والحثّ علیه، حدیث نمبر: 1080)

یہ بھی یاد رکھیں کہ خوشبو لگا کر پھرنا یہ اسلام کا حصہ ہے کیونکہ اگر کسی کے بدن سے بدبو آتی ہے تو وہ لوگوں کو کچھ تکلیف ضرور پہنچاتا ہے۔ بعض دفعہ گندے پاؤں کے ساتھ، گندی جرابوں کے ساتھ بچے نماز پڑھتے ہیں یا بڑے بھی، جو پچھلے پڑھنے والے ہیں ان کی نمازیں تو بالکل تباہ ہو جاتی ہیں۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ سجدہ جلدی ختم ہو۔ بجائے اس کے کہ سجدہ میں اور دعائیں کریں وہ سجدہ ختم کرنے کی دعا کرتے ہیں تو یہ نقصان ہے۔ فرمایا مومن اور مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اس کے بدن سے بدبو آئے۔ اس کا برعکس زیب دیتا ہے، اس کے بدن سے خوشبو اٹھنی چاہئے۔

شادی کرنا: مراد یہ ہے کہ جس طرح یہود کے بعد عیسائیوں نے رہبانیت اختیار کر لی تھی اور اس کو نیکی سمجھتے تھے فرمایا یہ نیکی نہیں ہے، انبیاءؑ کی سنت کے خلاف ہے اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ جو طبعی جذبات انسان کے اندر خدا نے پیدا فرمائے ہیں ان کے برمحل استعمال سے شرمانا نہیں چاہئے اور یہ دونوں مضمون دراصل اس لحاظ سے حیا سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اس بات سے شرماؤ کہ کسی کو تکلیف پہنچاؤ۔ اس بات سے نہ شرماؤ کہ جہاں اللہ نے بعض چیزوں کی اجازت دی ہے جو ویسے تم دنیا سے چھپاتے پھرتے ہو یعنی وہ تعلقات جہاں اجازت نہ ہو ان کو چھپانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں مگر ان تعلقات کو چھپاؤ بھی مگر علم ہو سب کو کہ وہ تعلقات ہیں۔ یہ ہے مضمون جس کے متعلق فرمایا کہ یہ مرسلین کی سنت میں سے ہے۔

مسواک کرنا: یہ دراصل اپنے منہ سے اٹھنے والی بدبو کو روکنے کے لئے اور لوگوں کو اپنی بدبو سے بچانے کے لئے دونوں طرح ہے اور پھر چونکہ منہ سے اللہ کا ذکر ہوتا ہے فرمایا کہ ایسے منہ سے خدا کا ذکر نہ کرو جس سے بدبو اٹھتی ہو۔

اور آخر پر فرمایا حیا: حیا بھی تمام پیغمبروں کی سنت تھی۔ اب اس مضمون کے جو باقی حصّے ہیں وہ انشاء اللہ آئندہ خطبات میں مَیں بیان کروں گا۔ اب وقت ختم ہو گیا ہے۔